منیرہ خانم*

استور کے شعرا: شعری رجحانات اور خدمات کا تحقیقی جائزہ

Poets of Astore: A Research Review of Poetic Trends and Services

Abstract: *Romance or Romanticism is an aspect of the history of art and literature that encompasses the literature of the eighteenth and nineteenth centuries, but its effects can also be easily seen on the literature, thought, philosophy, and civilization of the period after this period. Almost all critics of this period have recognized its scope and importance, as Romanticism gave literature new thinking and new metaphors. Romanticism was not just a literary movement, but a rebellion against rationality, tradition, order, and prevailing principles, which manifested a change not only in art and literature, but also in social values, political consciousness, and moral thinking. Before the Romantic Movement, Urdu literature was blindfolded like a bull in a crusher, unaware of the whole world. Literature was frozen in the confines of objectivity. The Romantic Movement broke this barrier and took Urdu literature out of the limited context of the subcontinent and gave it an international status. Then, Urdu literature of all kinds began to be considered as a source of inspiration for its themes and writing styles. In short, this Romantic Movement created new perspectives and modes of thought in Urdu literature in terms of subject matter and style, gave writers, especially poets, unlimited scope for imagination, and exposed Urdu prose to compositional literature.*

Keywords: *Sheena Poetry, Persian Influence, Literary heritage, Social Political Expression, Religious Literature.*

تلخیص: استور، گلگت بلتستان کا ایک خوبصورت مگر پسماندہ علاقہ ہے جہاں کے شعرا نے مشکل ترین حالات کے باوجود علم و ادب میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہاں کے شعرا نے شینا، فارسی اور اردو زبانوں میں تخلیقِ فن کے ذریعے خطے کے سماجی، سیاسی اور مذہبی مسائل کو اُجاگر کیا۔ شینا زبان کے پہلے شاعر وزیر احمد خان تھے، جبکہ وزیر محمد اشرف علیگ نے اردو شاعری میں فکری بیداری، حب الوطنی اور اصلاحی شعور کو فروغ دیا۔ جعفر علی خان نے انقلابی اور ملی شاعری کے ذریعے جنگِ آزادی کو منظوم کیا۔ خوشی محمد طارق نے سماجی اور ادبی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ شاہد حسین تفکر نے نعت، منقبت اور مرثیے جیسی مذہبی اصناف میں گراں قدر کلام تخلیق کیا، جبکہ ڈاکٹر جابر حسین نے تنقید و تحقیق کے میدان میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ اے۔ بشیر خان نے استور کی تاریخ، جغرافیہ اور عوامی مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ یوں استور کے شعرا نے گلگت بلتستان کی ادبی و فکری تاریخ پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔

کلیدی الفاظ: شینا شاعری، فارسی اثرات، ادبی ورثہ، سماجی و سیاسی اظہار، مذہبی ادب

***پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی، کراچی۔**

تعارف:

استور گلگت بلتستان کی ایک دور افتادہ وادی ہے جہاں طویل اور خطرناک پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے اکثر رابطہ سڑکیں نہ صرف بند رہتی ہیں بلکہ دوسرے علاقوں سے اکثر اوقات ہفتوں رابطہ منقطع رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقے میں رہنے والے لوگ زندگی کی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں۔ اسی پسماندگی اور زندگی کی بنیادی سہولیات کی کمی کے باعث یہاں کا پوش طبقہ کثیر تعداد میں پاکستان کے دیگر علاقوں کی جانب ہجرت کر جاتا ہے۔ پیچھے رہ جانے والوں میں یا تو سرکاری ملازمین ہوتے ہیں یا وہ لوگ جن کی مالی حالت اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ کسی بہتر علاقے کی طرف منتقل ہو سکیں۔ پھر دوسری طرف اعلیٰ تعلیمی اداروں کی کمی کی وجہ سے اکثر طلبہ و طالبات جماعت ہشتم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر شہروں کا رخ کرتے ہیں۔ یوں تکمیل سند کے بعد جہاں ان کو بہتر ملازمت کے مواقع اور زندگی کی بنیادی سہولیات حاصل ہوتی ہیں وہی پر مستقیل سکونت اختیار کر لیتے ہیں۔ یوں یہ خطہ اپنے باصلاحیت اور تعلیم یافتہ لوگوں سے نہ صرف محروم ہو جاتا بلکہ اس کا اثر یہاں کی سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔ پھر حکومتوں کی عدم توجہی اور مشکل پہاڑی سلسلوں کی بدولت بھی یہاں کا نظام زندگی ہر لمحہ متاثر رہتا ہے۔ لیکن اس تمام مخدوش صورت حال کے باوجود استوری قوم ملکی تعمیر و ترقی میں کسی طرح پیچھے نہیں رہتی ہے۔ سیاسی، معاشی، علمی و ادبی ہر سطح پر استور کے لوگوں نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح گلگت بلتستان کے علمی و ادبی منظر نامے میں نظر دوڑائیں تو استور کے شعرا کے تذکرے کے بغیر گلگت بلتستان کی ادبی تاریخ مکمل نہیں ہوتی ہے۔ استور کے شعرا کی اکثریت نے شینا، فارسی اور اردو زبانوں میں شاعری کی ہے۔ گلگت بلتستان ایک متنازعہ خطہ ہونے کی وجہ سے اکثر یہاں پر غیر یقینی صورت کا سامنا رہتا ہے جس کا اظہار یہاں کے شعرا اپنی شعری تخلیقات میں کرتے نظر آتے ہیں یہی نہیں بلکہ مقامی سطح پر بھی عوامی حقوق، سیاسی مزاحمت، مذہبی جنونیت اور تفرقہ بازی کے خلاف بر سرپیکار نظر آتے ہیں۔ شعرا کے شعری رجحانات اور ان کی ادبی خدمات کے پیش نظر ہم یہاں پر ضلع استور کے شعراء کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے نمونہ کلام اور شاعرانہ تصانیف پر بات کریں گے۔ گلگت بلتستان کے ادبی منظر نامے میں بیسویں صدی کے وسط میں جو قابل ذکر اور معروف و ممتاز ادبی شخصیات تھیں ان میں سکردو کے شمیم بلتستانی، ہنزہ کے نصیر الدین ہنزائی، استور کے محمد اشرف اور دیامر کے مولوی حاجی رحمت شامل تھے جن کو گلگت بلتستان میں اردو شاعری کے بانیان قرار دیا جاتا ہے۔ مگر ہم یہاں پر صرف ان شعرا کا تعارف و تصانیف پر اکتفا کریں گے جن کا تعلق استور سے تھا یا اب بھی ہے۔

وزیر احمد خان: وزیر احمد خان کا تعلق استور کے گاؤں گوریکوٹ سے تھا۔ ان کی پیدائش ۱۸۹۲ء میں ہوئی۔ وزیر احمد خان استور کے اولین شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ پاکستان کا ثقافتی انسائکلوپیڈیا کے مطابق "پہلا دور (۱۸۴۲ تا ۱۹۴۷) اس دور کی شینا شاعری کا زیادہ تر انحصار مذہبی شاعری پر رہا ہے۔ شعرا اپنے اپنے عقائد کے مطابق ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے بڑے معتدل انداز

میں م کلام تخلیق کرتے تھے۔ مذہبی شعائر سے دلی وابستگی کی وجہ سے ہر مکتبہ فکر کے شعرا نے نہ صرف حمد و نعت لکھے بلکہ مرثیہ نگاری کی سعادت بھی حاصل کی۔ اس دور کے نمائندہ شعرا میں محمد رضا نگر، اخوند مہربان، وزیر احمد خان، صمد خان اور خلیفہ رحمت منگ جان کے نام قابل ذکر ہیں "(۱) وزیر احمد خان استوری مادری زبان شینا کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی کے بھی قادر الکام شاعر تھے۔ ان کا کلام تحریری صورت میں محفوظ نہیں ہے تاہم آپ کے شینا کلام میں بعض متفرق اشعار اور چند حمد و نعت تحریری صورت میں موجود ہیں اور ان سے پہلے کسی شاعر کا کلام تحریری صورت میں موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دستیاب کلام کی بنیاد پر آپ کو استور کا اولین شاعر تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کی کہی ہوئی ایک شینا حمد باری تعالی کے چند اشعار کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ "پہلے خدا کی حمد و ثنا کرو بیان، پھر محمد ﷺ مصطفیٰ پر دورود بھیجو، جو ہمارا خیر الوراٰی ہے، اے خدا اپنے اس شرمندہ بندے پر رحم کر۔"(۲)

وزیر محمد اشرف علیگ: آپ کی تصانیف میں کہی پر بھی آپ کی تاریخ پیدائش درج نہیں ہے۔ البتہ آپ کے فرزند وزیر تاجور سے لی گی معلومات کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۱۹۱۴ء اور تاریخ وفات ۱۹۷۱ء ہے۔ آپ کا تعلق استور کے گاوں گوریکوٹ کے ایک پڑھے لکھے خاندان سے تھا۔

آپ کے والد احمد خان استور کے اولین شعرا میں سے تھے۔ آپ کے خاندان کے بزرگوں نے سیکھوں کے دور حکومت میں گلگت بلتستان کی سیاسی و سماجی زندگی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ "سیکھوں کے ابتدائی دور میں وزیر روزی خان اور وزیر محمد خان ساکنہ استور نے پر پھیلاے اور نہ صرف استور بلکہ پس پردہ گلگت پر بھی حکمرانی کی۔ وزیر روزی خان نہ صرف استور کی ایک مشہور شخصیت رہی بلکہ گلگت بلتستان بھر میں شہرت رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی جب ڈوگروں نے استور پر قبضہ کیا تو انھوں نے ان کو اپنا سیاسی نمائندہ مقرر کیا"(۳) آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ آپ نے اس عہد کی سب سے بڑی تعلیمی درس گاہ 'علی گڑھ' سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ ایسی نسبت سے آپ اپنے نام کے ساتھ علیگ کا اضافہ کرتے تھے۔ پروفیسر عثمان علی لکھتے ہیں۔ "محمد اشرف نے ۱۹۳۴ء میں بی اے کی ڈگری ریاست جموں و کشمیر میں اول رہ کر لارڈ ریڈنگ وائسرائے کے طلائی طمغے کے ساتھ حاصل کی۔ علی گڑھ سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ "(۴) محمد اشرف کو اردو، انگریزی، فارسی، عربی اور مادری زبان شینا پر عبور حاصل تھا۔ محمد اشرف گلگت بلتستان کے واحد ادیب تھے جن کو پاکستان رائیٹر گلڈ کے ممبر ہونے کا اعزاز حاصل رہا۔ انہوں نے نظم و نثر دونوں میدانوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کی شاعرانہ تصانیف میں عرفان محمد، ارمغان گلگت، لال زار کشمیر، متاع گمگشتہ اور۔ لمحات اشرف ہیں۔ ان میں سے بعض اب ناپید ہیں۔ آپ کے کلام میں فکر کی گہرائی، وطن کی محبت خاص طور پر (کشمیر) سے محبت کا اظہار، ملت اسلامیہ کی بیداری کی جستجو، اصلاحی و فکری بیداری، اور سیاسی شعور جھلکتا ہے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر عظمی سلیم لکھتی ہے۔ "وہ اپنے خیالات کو چست اور خوبصورت تراکیب کے ساتھ اس طرح اشعار میں ڈالتے ہیں۔ کہ ان کی فکر کے تمام مناظر قاری کی فہم کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ اور قاری ان سے وہی حظ اٹھاتا ہے۔ جس سے شاعر کا وجدان مستنبط ہے۔ اشرف کا

کلام جوش و جذبے کے ساتھ ساتھ رواں، سہل اور سادہ ہے۔ "(۵) کشمیر سے گلگت بلتستان کے لوگوں نے آزادی تو حاصل کی مگر کشمیریوں کے ساتھ اپنے جذباتی تعلق کو ختم نہیں کر سکے اور پھر جن لوگوں کے کشمیر سے سیاسی، سماجی مفادات وابستہ تھے ان کے لیے کشمیر کی بڑی اہمیت تھی۔ وزیر محمد اشرف بھی انہی لوگوں میں سے تھے۔ نہ صرف ان کے خاندان کے بڑوں کو ڈوگروں نے اپنا نمائندہ چنا، خود ان کی کامیابیوں میں بھی بڑا ہاتھ رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ محمد اشرف نے آخری وقت تک کشمیری حکمرانوں کا ساتھ نبھایا۔ بقول مولوی عبد المنان کے "تحصیل دار استور گوری کوٹ کے مشہور خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ہمیں اس کے متعلق استور سے ہی حکم ملا ہوا تھا کہ اسے گرفتار کرنا ہے۔ کیونکہ اس نے ڈوگرہ فوج کا ساتھ دیا تھا"(۶) یہی وجہ ہے کہ محمد اشرف نے کشمیر پر انڈیا کے قبضے کے بعد کشمیریوں پر ہونے والے مظالم کو محمد اشرف اپنی شاعری میں بہت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا مجموعہ "لالہ زار کشمیر" اس بات کا ثبوت ہے اور اہل کشمیر کو آج بھی یہی صورت حال درپیش ہے۔

"لاوہ سرے کو ہمارا جلتا ہوا دیکھو۔ خون ہر زخم اگلتا ہوا دیکھو
کشمیر میں ہر پھول مسلتا ہوا دیکھو۔ ہر باغ میں ہر شاخ کو جلتا ہوا دیکھو
جلتا ہے۔ گلستاں جہاں آگ بجھا دو۔ کشمیر بچالو! کشمیر بچالو"(۷)

وزیر محمد اشرف نے شینا اور اردو زبان کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی بہت اعلیٰ پائے کی شاعری پیش کی ہے۔ فارسی زبان میں ایک نظم کے چند اشعار پیش خدمت ہیں آپ لکھتے ہیں۔

مہر و مہ و کوہ و دشت و دریا این نقش و نگار روئے زیبا
حیرت کدہ جہاں چوں منیم گوتم کہ لا الہ الا(۸)

ان اشعار میں شاعر، بلند و بالا پہاڑ، صحر و دریاؤں کی خوبصورتی اور عظمت پر محو حیرت ہوتے ہوئے کن فیکون کے مالک کی عظمت و قدرت اور شان کو بیان کر رہا ہے۔ گلگت بلتستان کی سرزمین اپنے دامن میں ایسے دلکش نظارے سمیٹے ہوئی ہے جنہیں دیکھ کر انسان کی روح مسحور ہو جاتی ہے۔ فلک بوس برف پوش قدرتی حسن و جمال سے مزین بلند بالا پہاڑی سلسلے، قدرتی آبشاریں، نیلگوں جھیلیں اور پہاڑوں کے دل کو چیر کر گزرنے والے شوریدہ سر دریا ایسے مناظر ہیں جنھیں الفاظ میں سمیٹنا بہت مشکل ہے۔ ان مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرتے ہوئے دل خود بخود خالق کائنات کی عظمت و قدرت کے سامنے جھک جاتا ہے اور یہ احساس پیدا ہوتا ہے کی کائنات کا ہر رنگ اس کے جمال کا پرتو ہے۔ اسی عظمت کو محمد اشرف نے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ بلاشبہ آپ کا مقام گلگت بلتستان کی ادبی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔

جعفر علی خان: (پھٹواری) جعفر علی خان کا تعلق استور کے گائوں فینہ سے تھا۔ ان کو اپنے عہد میں وہ قبولیت عام حاصل نہیں ہوا جس کے وہ حقدار تھے۔ ان کی شاعری قومی و ملی سطح پر ایک انقلابی بیانیے کو پیش کرتی ہے۔ ان کا کلام آج بھی تحقیق طلب ہے اور ادبی حلقوں کے لے ایک اہم ادبی سرمایہ ہے۔ جعفر علی خان کی پیدائش ۱۹۱۳ میں ضلع استور کے گاؤں فینہ میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم استور سے ہی حاصل کی۔ میڈل گلگت سے اور میٹرک ہائی سکول سری نگر سے پاس کیا۔ بعد از اں سرکاری ملازم ہوئے اور پھٹواری اور پھر غلداور کے عہدوں پر ترقی پائی۔ جعفر علی کو شینا، اردو اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں مقامی ثقافتی رنگ کے ساتھ ساتھ اردو کا بیانیہ سلوب اور فارسی کی کلاسیکی روایت کا امتزاج ملتا ہے۔ جعفر علی بنیادی طور پر ایک انقلابی فکر کے حامل تھے۔ ان کی شاعری میں آزادی، قومی تشخص اور ظلم کے خلاف مزاحمت کا پیغام ملتا ہے۔ کے انھوں نے گلگت بلتستان کی جنگ آزادی کے واقع کو نہایت منظم اور تاریخی انداز میں بیان کیا ہے۔ بھارت کا کشمیر پر قبضہ اور ڈوگروں کے ساتھ جنگ کے آخری معرکے کو بھی بہت موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ جعفر علی کے کلام میں تاریخی شعور بھی پنہاں ہے اور یہ ایک اہم تاریخی ماخذ بھی ہے جس میں جنگ آزادی کے معرکوں کو منظوم اور دستاویزی صورت میں محفوظ کیا گیا ہے۔ جنگ آزادی گلگت بلتستان کے آخری معرکے کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

والی کشمیر نے الحاق بھارت سے کیا   ناخدا مہاراج بد اندیش گلگت سے ہوا۔

ڈوگرہ سرکار رو کر بادل ناخواستہ   فوج بھارت باسپاہ خود کیا آراستہ
لشکر جرار بھیجا ساتھ فل کرنیل دو   اختیارات ایجنسی دے کر ایک جرنیل کو
وارد گلگت ہوا گھنسار نامی ناب کار   واقف از راز ایجنسی ہو کے تھا وہ شرمسار
حاکم اعلیٰ گورنر شوم کی فریاد پر   ہند کے ظالم سکھوں سے تھے مسلماں دردمند"(۹)

جعفر علی نے قومی اور ملی شاعری کے ساتھ ساتھ مذہبی موضوعات پر بھی کلام پیش کیا ہے۔ ان کے لکھے ہوئے مرثیہ، سلام، منقبت اور نوحے آج بھی استور کی محافل و مجالس میں پڑھے جاتے ہیں اور یہ سینہ بہ سینہ منتقل ہو رہے ہیں کیونکہ زمانے اور حالات کی ستم ظرفی کہیں کہ ان کا زیادہ تر کلام جو مخطوطات کی صورت میں تھا ضائع ہو چکا ہے۔ راقمہ نے یہاں پر ایک منقبت کے چند اشعار ان کے فرزند کی زبانی سن کر تحریر کیا ہے۔

یہ اسم اعظم ہے، برادر علی علی کے علی علی کے   یہ کوئی کافر کہیں تو ڈر کیا، یہ کفر جعفر کرے وظیفہ
یہی ہے۔ منتر، یہی ہے جادو، علی علی کے علی علی کے   نصیری نے کچھ غلط کہا تھا، نظر میں اس کی علی خدا تھا
یہ کیسی ہے شان علی کی، علی علی کے علی علی کے   مثال کوہ گوہر تھا کافر، عرب میں عمرو وانتر
علی نے سر تا بہ پیر چیرا، شہہ غضنفر علی علی کے علی علی کے (۱۰)

جعفر علی کی تین تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ انقلاب گلگت، خطاب گلگت، آواز گلگت، تاہم اول ذکر دو تصانیف اس وقت ناپید ہیں البتہ " آواز گلگت" شواہد کے مطابق دو حصوں پر مشتمل تھی کا حصہ اول دستیاب ہے جبکہ حصہ دوم ناپید ہے۔ دوسرے حصے کی موجودگی کا علم پہلے حصے کی نظم کے آخری شعر سے ہوتا ہے جس میں شاعر نے پہلے کے اختتام اور دوسرے کے آغاز کے بارے میں بحث کی ہے۔

ختم کر جعفر علی، نظر عقیدت دوستاں   راست گوئی شیوہ باشد در مقام داستان
مثل بلبل سوئے گل عشقم کنوں پرواز کن   قسط اول ختم شد و جلد دوم راباز کن (۱۱)

جعفر علی کی تصانیف کے بارے میں ڈاکٹر عظمیٰ سلیم لکھتی ہیں "۱۹۶۶ء میں آواز گلگت ایجنسی کے نام سے انقلاب گلگت ۱۹۴۷ء کا بیانیہ سامنے آیا۔ سب ڈویژن استور کے جعفر علی خان کی تحریر ہے۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل اس طویل نظم میں تمام شاعرانہ خوبیاں نظر آتی ہیں" (۱۲)

جعفر علی نے اپنی شاعری کے ذریعے اپنے عہد کی سیاسی، سماجی اور مذہبی پسماندگی اور انقلابی جدوجہد کو موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ جعفر علی خان ایک درد دل رکھنے والے انسان تھے مگر زمانے کی نیرنگی اور بے اعتنائی کی وجہ سے ان کا کلام محفوظ نہیں ہو سکا۔

مظفر علی مظفر کا: تعلق ضلع استور کے گاؤں پکورہ سے تھا۔ آپ پکورہ میں پیدا ہوئے بعد ازاں ہجرت کر کے جگلوٹ منتقل ہوئے یہی پر ۲۰۱۵ء میں ان کی وفات ہوئی (۱۳) آپ کی کتب میں تاریخ پیدائش درج نہیں ہے ۔ پیشے کے اعتبار سے معلم تھے اور ادبی میدان میں وزیر محمد اشرف اور جعفر علی خان کے ہم عصر تھے۔ آپ کی کتب میں تاریخ پیدائش درج نہیں ہے۔ شاعری میں ان کی دو کتب "ساز الفت" اور "نالہ دل" شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے یہاں تصوف، مذہب، سیاست کے موضوعات زیادہ پائے جاتے ہیں۔ ان کی کہی ہوئی ایک حمد باری کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

یہاں بھی تو وہاں بھی تو، مکاں ولا مکاں میں تو   نہاں بھی تو عیاں بھی تو، نجوم و کہکشاں میں تو
تری قدرت کی وسعت کو نہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے   شجر میں تو حجر میں تو، فلک میں تو جہاں میں تو (۱۴)

مظفر علی نے اس عہد میں شاعری کا آغاز کیا جب گلگت بلتستان میں ڈوگروں اور پھر سیکھوں کی حکومتیں قائم ہوئی اور مقامی لوگ ان کے زیر تسلط زندگی گزار رہے تھے تو دوسری طرف ظلم و زیادتیوں کا بھی شکار تھے۔ اور پھر قیام پاکستان کے ایک سال بعد یہاں کی عوام اور مقامی سپاہ نے اپنی مدد آپ آزادی حاصل کی۔ لہذا اس عہد کے شعرا نے اپنی شعری تخلیقات میں اس جنگ آزادی کو پورے جوش و جذبے کے ساتھ بیان کیا۔ مظفر علی نے بھی جنگ آزادی کے شہداء کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

جو فدائے دیں ہوئے ان جیالوں کو سلام   جانبازوں، جانثاروں، جاں فروشوں کو سلام
ملت سلام کی کھیتی کو سینچا خون سے   دین پر مر مٹنے والے بے ریاؤں کو سلام
غلغلہ الاھو کا سر بلند ان سے ہوا   پاک طنیت، پاک زاروں کو سلام

نقش ایثاروں کس ثبت کر کے چار دانگ   جاوداں زندہ ہیں، وہ ان باؤں کو سلام (۱۵)

خوشی محمد طارق: ضلع استور کے گاؤں منی مرگ میں ۱۶ مئی ۱۹۵۳ء میں پیدا ہوئے (۱۶)۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم استور سے حاصل کی۔ انٹر کشمیر سے اور بی اے کی ڈگری راولپنڈی گونمنٹ ڈگری کالج اصغر مال سے مکمل کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے جن کا مظاہرہ وہ مختلف میدانوں میں کرتے نظر آتے ہیں۔ خوشی محمد نے بطور صدر "حلقہ ارباب ذوق" کی حیثیت گلگت بلتستان کی ادبی مجالس و محافل کی روایت کو وسعت دی تو وہی پر ادبی مشاعروں محافل کی روداد اخبارات میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ بطو کالم نگار اخبارات میں ادبی مشاعروں کی روداد کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی کالم لکھتے ہیں اور علاقے کے مسائل و مشکلات کو اجاگر کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ریڈیو گلگت بلتستان اور پی ٹی وی کے علاقائی پروگراموں بطور ادیب شریک ہو کر خطے کے ادبی و ثقافتی ورثے کو اجاگر کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ بطور شاعر گلگت بلتستان کے علاوہ ملک کے دیگر حصوں میں بھی جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے فن کے بارے میں افتخار عارف لکھتے ہیں۔ "کوئی شخص خواب دیکھے اور ان کو لفظوں میں زنجیر کرے تو ماننا چاہئے کہ وہ شاعری کے لئے خلق کیا گیا ہے۔ طارق کی نظمیں اور غزلیں نظر سے گزریں گی تو اندازہ ہو گا کہ ہم ایک محبت کرنے والے شاعر کا کلام پڑھ رہے ہیں۔" (۱۷)

ان کی شاعری کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں "پلکوں کے سائباں" اور "خواب کے زینے" خوشی محمد طارق ایک بلند پایہ مفکر، شاعر اور کالم نگار ہیں۔ ان کے کلام میں الفاظ کا انتخاب، معنی کی لطافت اور رومانوی اثر قاری کو اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں۔ ان کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

پھر اسی کو ڈھونڈتا ہے، شوق آوارہ مرا   پھر دل صد پارہ کو تیر وسناں کی آرزو
موت کی خاطر ہی جینا تھا اگر   منتظر کیوں عمر بھر رکھا گیا
جل جاتا تیرے حسن کی تابش سے پتنگا   خوابوں میں بھی گر لب ترے رخسار پہ رکھتا
تج دیا ہم نے سکون زندگی جس کے لیے   ہو گیا او جھل نگاہوں سے وہ نظریں موڑ کر
جہاں سب ہی گھر مٹی کے بننے ہوں   وہاں کیا خیر مانگیں بادلوں سے (۱۸)

خوشی محمد طارق کی شاعری میں بھی گلگت بلتستان کے دیگر شعرا کی طرح مزاحمتی رنگ بھی نمایاں ہے۔

ہر قدم پر اک سفر رکھا گیا   منزلوں سے بے خبر رکھا گیا
موم کا پیکر مجھے دینے کے بعد   راکھ میں میری شرر رکھا گیا
شہر قحط مسیحائی نہ پوچھ   قاتلوں کو چارہ گر رکھا گیا (۱۹)

خوشی محمد کی شاعری میں ایک خاص فکری تنوع پایا جاتا ہے۔ انھوں نے جہاں اپنی شاعری میں رومانوی خیالات کو پیش کیا وہی پر سیاسی، سماجی اور مذہبی موضوعات پر بھی کسی خاص مکتبہ فکر کی نمائندگی کیے بغیر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کیے۔ ایک ادیب اور دانشور

ہونے کے ساتھ ساتھ سماجی میدان میں بھی آپ کی خدمات قابل تعریف ہیں۔ " ان کی فلاحی خدمات کی بنیاد پر آپ کو PSA نے گولڈ میڈل سے نوازا ہے "(۲۰) خوشی محمد طارق نہ صرف استور بلکہ گلگت بلتستان کے لیے ایک اہم سرمایہ ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنی نوجوان نسل کو ایسے شعرا کے کلام سے آشنا کیا جائے جن کے ہاں اتحاد امت وملت کا درس پایا جاتا ہے۔

شاہد حسین تفکر: شاہد حسین نام اور تفکر تخلص ہے تفکر کا تعلق ضلع استور کے گاؤں نوگام سے ہے۔ آپ نوجوان ابھرتے ہوئے شاعر ہیں۔ اگرچہ شہرت عام نہیں رکھتے لیکن آپ کی شاعری کا معیار کافی بلند ہے۔ شاہد حسین نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاوں سے حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے کراچی کا رخ کیا۔ کراچی یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے کے بعد کچھ عرصے تک ایک دینی ادارے سے فضیاب ہوئے۔ پھر آبائی وطن لوٹ آئے۔ اس وقت ایک نجی اسکول میں استاد کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ شاہد حسین تفکر کے اندر ایک فطری اور پیدائشی شاعر موجود ہے۔ جس کو خدا نے ایسی بے مثال صلاحیتوں سے نوازا ہے کہ اس پسماندہ علاقے میں رہتے ہوئے انھوں نے گیارہ شعری تصانیف تخلیق کی ہیں۔ شینا، اردو زبانوں کے علاوہ عربی وفارسی میں بھی دسترس رکھتے ہیں اور اردو، شینا دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں۔ آپ کی شعری تصانیف میں سے چند یہ ہیں۔ 'گلزار معصومین، عرصہ حیات، شباب در حجاب، گلشن زہراء اور فلسفہ ختم نبوت "۔ غیر مطبوعہ کتب میں فلسفہ ظہور امامت، صور اسرافیل، راسخون فی صراط اور سبیل، مقالات تفکر' شامل ہیں۔ جبکہ تین نثری تصانیف بھی تحریر کر چکے ہیں۔ شاہد حسین تفکر کی شاعری کا بیشتر حصہ مذہبی موضوعات پر مشتمل ہے۔ انھوں نے جن اصناف پر طبع آزمائی کی ہے ان میں نعت، منقبت، سلام، نوحے اور مرثیے شامل ہیں۔ حمد باری تعالیٰ کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

جس طرف بھی نظر ہو ادھر تو ہی تو
جیسے جیسے سفر ہو گزر تو ہی تو

قاب و قوسین پر خود نبی ﷺ نے کہا
مالک   الملک تو لا شریک لہ (۲۱)

شاہد حسین تفکر کی نظر اسلامی تاریخ پر بھی ہے۔ وہ اسلامی تاریخ کے مطالعے سے بھی شغف رکھتے ہیں اس لیے دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے شاندار ماضی کو کچھ یوں بیان کیا ہے۔

بو علی سینا و جابر، قیس و رازی و ہشم
خاور و خورشید تھے یا سائباں جن کی گلیم

ابن بطلال، ابن رضواں، ابن عیسی و حکیم
حکمت و دانش پہ ان کی بر ملا باد نسیم

اس طرح برسی کے اپنے آپ حیراں ہو گئی
زیر کی ابلیس کی تا حشر و حیراں ہو گئی (۲۲)

شاہد تفکر کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے کلام میں تاریخی و شاعرانہ اصطلاحات کے ساتھ ساتھ تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی علمی وفنی مہارت کے ساتھ نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے۔ ان کے کلام میں بہت دقیق اصطلاحات کا استعمال کثرت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ جو ان کے علمی و ادبی شعور کی پختگی کو ظاہر کرتی ہے۔

ڈاکٹر جابر حسین جابر: ضلع استور کی وادی بوبند کے گاؤں کھنئی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ماضی قریب میں گاؤں کی پسماندگی، شہر سے دوری، تعلیمی اور دیگر سہولیات زندگی سے محرومی کی بنیاد پر آبائی گاؤں سے اسکردو منتقل ہوئے ہیں۔ پرائمری تک تعلیم آبائی گاؤں میں حاصل کی۔ پھر اسکردو سے میٹرک کرنے کے ساتھ ساتھ دینی ادارہ جامعہ النجف سے دینی تعلیم بھی حاصل کی۔ بعد ازاں اعلی دینی تعلیم کے حصول کے لئے مشہور عالم شیخ محسن علی نجفی کی زیر نگرانی چلنے والا پاکستان کا مشہور دینی ادارہ جامعہ الکوثر اسلام آباد میں داخلہ لیا۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ ایم اے اردو کرنے بعد نمل یونیورسی اسلام آباد سے بعنوان "پاکستانی ادو غزل کی تنقید کا ارتقا" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ فیڈرل پبلک سروس کمیشن پاکستان کا امتحان پاس کر کے فیڈل گورنمنٹ کالجز اسلام آباد میں بطور لکچر تعینات ہوئے جہاں تاحال اپنی خدمات انجام دے رہے۔ ہیں۔ ڈاکٹر جابر حسین نے اپنی فنی زندگی کا آغاز سن 2000ء سے کیا ہے۔ تادم تحریر ہذا ان کی ایک نثری تصنیف "تابش دہلوی: شخصیت و فن "طبع ہوئی ہے۔ جبکہ ایک شعری مجموعہ "ضبط سخن" زیر طبع ہے اس کے علاوہ موصوف کے کئی تحقیقی مقالات پاکستان کے مختلف تحقیقی جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں چند مقالات مندرجہ ذیل ہیں۔ تنقید غزل کی ابتدائی معروف صورتیں، بلتی اور اردو زبان: صوتی، املائی اور معنوی اشتراک، پاکستان اردو فکاہی شاعری کا موضوعاتی مطالعہ، آیت اللہ خمینی کی شاعری میں تنقید تصوف و عرفان، اردو زبان" شامل ہیں۔ ان کے ہاں سیاحت، تاریخ اور مذہبی موضوعات اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا پسندیدہ موضوع قدرتی مناظر بھی ہیں۔ جیسا کہ دریائے سندھ کے موضوع پر آپ رقم طراز ہیں۔

سفر میں صدیوں سے ہے یہ دریا۔   کہ جیسے دیوانہ ہے کسی کا
کہیں۔ پہاڑوں کہ تہہ میں الجھے   کبھی یہ صحرا پہ آگے سلجھے
کہیں یہ ساکت مثال دلھن   کہیں پر دیوانہ بن کے غوغا
کبھی چٹانوں سے لے کے ٹکر   ہزار چھینٹیں اڑائے پیہم
کہیں پہ مٹی کا روپ دھاریں   خموش، غوغانہ کوئی چھم چھم
کہیں پہ ندی سے دوستی ہے۔   کہیں پہ نالے سے ہے۔ بغلگیر
کبھی ادھر آبشار کوئی   فراز کہسار سے اتر کر
اسے بڑھائے اسے سجائے   سجی سجائی دلھن کی مانند
سفر میں دکھے کا دل چرائے   مذاق سالم ہو جس کسی کا
مشاہدے سے لطف اٹھائے (۲۳)

اسلام آباد سے شائع ہونے والے "اخبار اردو" میں خیبر پختون خواہ کے عبد المنان نے ۲۰۱۷ میں ڈاکٹر جابر پر ایک تعارفی مقالہ تحریر کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں۔ " موصوف بظاہر دیکھنے میں ایک خاموش طبع اور کم گو نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی شعری تخلیقات پڑھنے کے بعد ایک کی حیرت ہوتی ہے۔ گلگت بلتستان جیسے دور افتادہ علاقے میں بھی پاکستان کے دیگر صوبوں کی مانند اردو شعر و ادب سے دلچسپی

رکھنے والے ایسے سنجیدہ تخلیق کار پیدا ہو رہے ہیں جن کا زور قلم اور عزم جواں اردو زبان و ادب کی تحقیق و ترویج کے حوالے سے اپنے علاقے کی نئی نسل کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ فراہم کرتا ہے"(۲۴) اس کے علاوہ آپ کی شاعری کا ایک بڑا حصہ مذہبی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ موصوف اسکردو کو اپنا مسکن بنا چکے ہیں مگر مادر وطن سے آج بھی جوڑے ہوئے ہیں۔ ان شاعری کو پڑھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ مستقبل میں انقلابی نظریات کے حامل پر اثر ادبی شخصیت ہونگے۔

اے بشیر خان کا اصل نام عبدل بشیر خان ہے۔ ۴ مارچ ۱۹۶۲ء میں استور کے گاؤں "میر ملک" میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم میر ملک سے حاصل کی پھر مڈل رٹو اسکول سے پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے گلگت بلتستان کے دیگر نوجوانوں کی طرح ۱۹۷۴ء شہر کراچی کا رخ کیا۔ کراچی سے ایل ایل بی اور صحافت کی ڈگریاں حاصل کی۔ ایک کامیاب ماہر معاشیات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ ادیب بھی ہیں۔ آپ شاعر، نثر نگار، مقالہ نگار اور بطور کالم نگار ادبی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ عملی زندگی کا آغاز بینک کی نوکری سے کیا۔ ہاؤس بلڈنگ کارپوریشن میں بطور برانچ منیجر کے بھی خدمات سرانجام دیں۔ دوران ملازمت آپ نے گلگت بلتستان کی تاریخ کے حوالے سے مرتب کی گی کتاب "آئینہ ددیامر" کے لیے استور کی تاریخ و جغرافیہ کے حوالے سے دو ابواب تحریر کیے۔ استور کی تاریخ کے حوالے سے یہ پہلی تصنیف تھی۔ آپ پیدائشی شاعر ہیں اور زمانہ طالب علمی سے ہی انقلابی سوچ و فکر کے حامل تھے۔ انھوں نے اپاپنی شاعری میں علاقے کے سیاسی، سماجی۔ معاشرتی اور تہذیبی حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔ اے بشیر خان نے اپنے کلام میں مذہبی، سیاسی اور سماجی موضوعات کو فکر کی گہرائی اور فنی خوبیوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اے بشیر نے گلگت بلتستان کی عوام کے مسائل، محرومی، پسماندگی، اور ناانصافیوں سادگی کے ساتھ اپنی کو نظموں اور غزلوں میں پیش کیا ہے۔

غریبی مار دیتی ہے جواں جذبوں کو بچپن میں   خدا نہ کرے یہ غربت کسی انساں کے آنگن میں
مجھے مفلک حالی سے ہمیشہ ہی سے نفرت ہے   میں ہنستا دیکھنا چاہتا ہوں ہر انساں کے جوبن میں
بشر! میں دست بستہ ہوں خدائے پاک کے در پر   بچالے جانے سے ہر شخص کو غربت کی الجھن میں (۲۵)

اے بشیر نے گلگت بلتستان کے موسمی حالات، قدرتی مناظر کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علاقے سے لوگوں کی ہجرت اور بے وافائی کو خوبصورت اور دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں۔

موسم نے کی دھنائی   ہر گھر میں رضائی آئی
آئس کریم و شربت   کا نام نہ لینا بھائی
ہاں چائے اور کافی   میں کچھ نہیں برائی۔
آدھے سے زیادہ باسی   بھاگے یہاں سے بھائی
جو نسل بھاگ نکلی   واپس وہ پھر نہ آئی
استور کی صدا یہ   مجھ تک ہے گونج آئی

اے بے وفا سپوتو! سن لو میری دہائی(۲۶)

الغرض استور گلگت بلتستان کا ایک دور افتادہ اور مشکل پہاڑی خطہ ہے جہاں کے باسی انتہائی تکلیف دہ موسمی حالات کے ساتھ ساتھ زندگی کی بنیادی سہولیات سے بھی محروم ہیں۔ نہ بہتر تعلیمی ادارے اور نہ ہی بہتر طبی سہولتیں۔ اس کے باوجود ملک کے دیگر خطوں کے باسیوں سے کسی طور پر صلاحیتوں و قابلیتوں میں کم نہیں ہیں۔ علم و ادب کے میدان ہو یا سیاسی و سماجی خدمات کا ذکر اس علاقے کے باسیوں نے ہر میدان میں خود کو منوایا ہے۔ اگر شعر و ادب کی بات کریں تو وزیر محمد اشرف گلگت بلتستان کی ادبی تاریخ میں ارد کے پہلے شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ جعفر علی نے ملی شاعری کے ذریعے گلگت بلتستان کے بہادوروں اور شہداء کی خدمات کو پیش کیا۔ مظفر علی مظفر نے مذہبی و ملی شاعری کی تو خوشی محمد طارق نے گلگت بلتستان کے باسیوں کے ساتھ ہونے والے استحصال کو بیان کیا۔ شاہد حسین تفکر ایک ابھرتے ہوئے نوجوان شاعر ہیں جنھوں نے مذہبی شاعری میں سلام، منقبت، مرثیہ کے علاوہ نظمیں بھی تحریر کی ہیں۔ ڈاکٹر جابر حسین ایک منجھے ہوئے ادیب ہیں جنھوں نے نظم اور نثر دونوں میں خود کو منوایا ہے۔ استور کے شعرا نے ہر دور میں گلگت بلتستان میں پیش آنے والی سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی صورت حال کو اپنی شاعرانہ تخلیقات میں پیش کیا ہے ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا جلد اول، شمالی علاقہ جات سلسہ قرقرم، ہمالیہ، ہندوکش، لوک ورثہ پاکستان، الفیصل، لاہور، سن ندارد، ص ۷۶۔

۲۔ سجاد علی و منرہ سجاد، استور میں اردو (زبان و ادب کا ارتقا) اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۲۱، ص ۹۲۔

۳۔ انٹرویو، از شیر باز علی برچہ، بمقام برمس گلگت، تاریخ ۲۷، جولائی ۲۰۱۸۔

۴۔ ثمان علی، مشمولہ آئینہ دیامر، چلاس، نیوز ایجنٹ اینڈ جنرل سپلائزر، ہرپن داس، ص ۱۹۹۲، ۲۵۱۔

۵۔ عظمیٰ سلیم، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان ۲۰۰۸۔

۶۔ عبد المنان، ڈوئیاں سے زوجیلا تک، عبد الناصر خان، جار خان، جگلوٹ، گلگت، ۲۰۱۵ء، ص ۹۰۔

۷۔ استوری، سید عالم، شمزلی علاقہ جات میں اردو، طوہر پرنٹرز، اسلام آباد، اکتوبر ۱۹۹۱، ص ۲۲۹۔

۸۔ علیگ، محمد اشرف، ارمغان گلگت، آرٹ پریس انارکلی روڈ، لاہور، ۱۹۵۷، ص ۲۰۔

۹۔ ایضاً، ص، ۵، ۴۔

۱۰۔ انٹرویو، استاد نصرت علی (فرزند) ۱۵، ۰۶، ۲۰۱۸۔

۱۱۔ جعفر علی خان، آواز گلگت قیجنسی (حصہ اول) نقوش پریس، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۰۔

۱۲۔ عظمیٰ سلیم، شمالی علاقہ جات، میں اردو زبان و ادب، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء ص ۱۶۰۔

۱۳۔ سجاد علی و منیرہ سجاد، استور میں اردو (زبان و ادب) اکادمی ادبیاتپاکستان، اسلام آباد، ۲۰۲۱ء، ص ۹۷۔

۱۴۔ ظفر، مظفر علی، راز حیات، گلگت، ناشیر ندارد، ۱۹۹۰ء۔

۱۵۔ ظفر، مظفر علی، نالہ دل، ایف آئی پرنٹرز، لاہور، سن ندارد، ص ۶۳۔

۱۶۔ سجاد علی و منیرہ سجاد، استور میں اردو (زبان و ادب) اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۲۱ء، ص ۹۸۔

۱۷۔ ثمان علی، پروفیسر، مشمولہ گلگت بلتستان کا اردو ادب، حلقہ ارباب ذوق، گلگت، ۲۰۱۱ء ص ۲۹۔

۱۸۔ ایضا، ص ۳۰۔ ۱۹۔ ایضا، ص ۶۰۔

۲۰۔ سجاد علی و منیرہ سجاد، استور میں اردو (زبان و ادب)، ص ۹۹۔

۲۱۔ بذات خود شاعر نے فراہم کیا ہے۔

۲۲۔ ہماری فرمائش پر شاعری نے بذات خود فراہم کیا ہے۔

۲۳۔ سجاد علی و منیرہ سجاد، استور میں اردو (زبان و ادب)، ص ۱۰۴۔

۲۴۔ ایضا۔ ص ۱۰۳۔ ۲۵۔ ایضا، ص ۱۰۶۔ ۲۶۔ ایضا، ص ۱۰۷۔

کتابیات:

۱۔ **استوری، سید عالم**، *شمالی علاقہ جات میں اردو*، طاہر پرنٹرز، اسلام آباد، اکتوبر ۱۹۹۱ء۔

۲۔ **اشرف محمد، علیگ**، *ارمغانِ گلگت*، آرٹ پریس، انار کلی روڈ، لاہور، ۱۹۵۷ء۔

۳۔ **پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا، جلد اوّل** : *شمالی علاقہ جات، سلسلۂ قراقرم، ہمالیہ، ہندوکش*، لوک ورثہ پاکستان، الفیصل، لاہور، سنِ ندارد۔

۴۔ **جعفر علی خان**، *آوازِ گلگت ایجنسی (حصہ اوّل)*، نقوش پریس، لاہور، ۱۹۶۶ء۔

۵۔ **سجاد علی و منیرہ سجاد**، *استور میں اردو (زبان و ادب)*، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۲۱ء۔

۶۔ **ظفر، مظفر علی**، *رازِ حیات*، گلگت، ناشر ندارد، ۱۹۹۰ء۔

۷۔ **ظفر، مظفر علی**، *نالۂ دل*، ایف آئی پرنٹرز، لاہور، سنِ ندارد۔

۸۔ **عبد المنان**، *ڈوئیاں سے زوجیلا تک*، عبد الناصر خان، جار خان، جگلوٹ، گلگت، ۲۰۱۵ء۔

۹۔ **عثمان، علی**، *آئینۂ دیامر*، نیوز ایجنٹ اینڈ منرل سپلائرز، ہربن داس، چلاس، ۱۹۹۲ء۔

۱۰۔ **عثمان علی، پروفیسر**، *گلگت بلتستان کا اردو ادب*، (مشمولہ) حلقہ اربابِ ذوق، گلگت، ۲۰۱۱ء۔

۱۱۔ **عظمیٰ سلیم**، *شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب*، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء۔

Bibliograph :

1. Astori, Syed Alam. Shumali Ilaqajat mein Urdu. Tahir Printers, Islamabad, October 1991.
2. Ashraf Muhammad, Alig. Armaghan-e-Gilgit. Art Press, Anarkali Road, Lahore, 1957.
3. Pakistan ka Saqafati Encyclopedia, Vol. I: Shumali Ilaqajat, Silsila-e-Karakoram, Himalaya, Hindu Kush. Lok Virsa Pakistan, Al-Faisal, Lahore, n.d.
4. Jafar Ali Khan. Aawaz-e-Gilgit Agency (Hissa Awwal). Naqoosh Press, Lahore, 1966.

5. Sajjad Ali & Munira Sajjad. Astore mein Urdu (Zaban-o-Adab). Academy Adabiyat Pakistan, Islamabad, 2021.
6. Zafar, Muzaffar Ali. Raaz-e-Hayat. Gilgit, Publisher Not Available, 1990.
7. Zafar, Muzaffar Ali. Nala-e-Dil. F.I. Printers, Lahore, n.d.
8. Abdul Manan. Doyian se Zojila Tak. Abdul Nasir Khan, Jaar Khan, Jaglot, Gilgit, 2015.
9. Usman, Ali. Aaina-e-Diamer. News Agent & Mineral Suppliers, Harban Das, Chilas, 1992.
10. Usman Ali, Professor. Gilgit-Baltistan ka Urdu Adab. (Mashmoola) Halqa Arbab-e-Zauq, Gilgit, 2011.
11. Uzma Saleem. Shumali Ilaqajat mein Urdu Zaban-o-Adab. Muqtadra Qaumi Zaban, Islamabad, 2008.

☆☆☆☆☆